مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی
رفیقِ اعزازی۔ المحدث

اسلام کا تصورِ نبوّت

قسط ۳

نبی کی خصوصیات

نبی محنت اور ریاضت سے نہیں بنتا، بلکہ نبوت اللہ کی دین ہے جسکو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ لیکن جسکو نبوت ملتی ہے۔ وہ پھر اس قدر عبادت کرتا ہے۔ کہ اس کے پاؤں بھی رکوع و قیام میں متورم ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق کہنا پڑتا ہے۔ کہ اے پیغمبر یہ قرآن ہم نے تجھ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو مشقت اور تکلیف اٹھائے روزے رکھنے پہ آتا ہے تو وصال کے روزے رکھتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ اعلانِ نبوت سے قبل وہ ایک زمانہ تک عبادت و مراقبہ میں بسر کرتا ہے۔ پہاڑوں کی غاروں اور آبادی سے دور دراز ویرانہ میں ایک ایک ہفتہ نہیں بلکہ ایک ایک ماہ اور ایک ایک چلّہ زہد و تقشف کی زندگی میں گذارتا ہے۔ تورات میں موسیٰ علیہ السلام کی نسبت مرقوم ہے کہ کتاب ملنے سے قبل وہ چالیس روز تک کوہ طور پر روزہ کی حالت میں رہے۔ اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے۔ کہ وہ ایک ویرانہ میں چالیس روز تک روزہ کی حالت میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے۔ خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے قبل غارِ حرا میں مہینوں عزلت اور گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت اور فکر و مراقبہ کی زندگی گذارتے رہے۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

قیل ما کان صفۃ تعبدہ اجیب بان ذالک کان بالتفکر والاعتبار[1] یعنی یہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و تفکر اور عبرت پذیری۔

بات دراصل یہ ہے کہ نبی اور رسول کا تعلق چونکہ اللہ رب العزت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ محبت خداوندی میں سرشار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو اس مادی دنیا کی ہر وہ شے اور فانی جہان کا ہر

---

[1] بدرالدین عینی: عمدۃ القاری جلد اوّل

وہ فعل جو اللہ رب العزت کی مرضی کے خلاف ہو اس طرح مکروہ اور ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح ہمیں ہر وہ شے جو ہماری طبیعت کے مخالف ہو ناپسندیدہ معلوم ہوتی ہے۔ اور ہم ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ کہ اس سے دور بھاگیں اور کسی گوشۂ خلوت میں جا بیٹھیں جہاں وہ چیز نہ ہو۔ بالکل اسی طرح انبیاء علیہم السلام جب اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ تو اس وقت دنیا میں طرح طرح کے ناپسندیدہ افعال، کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور فحشاء اور منکرات کے زلف یار کی طرح سیاہ بادل امنڈے ہوتے ہیں۔ جس سے انسانی اخلاق اور انسانی روحانیت گندی ہو چکی ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح ہم گندگی اور غلاظت سے دور بھاگتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام زمانہ قبل از نبوت میں اس روحانی اور اخلاقی غلاظت کے طوماروں سے دور بھاگتے ہیں۔ اور کوئی گوشۂ خلوت تلاش کرتے ہیں۔ جس میں تفکر و مراقبہ کے ذریعہ اللہ رب العزت سے لو لگائیں۔ اور اس مادی دنیا کی آلائشوں اور غلاظتوں سے یک قلم الگ ہو جائیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فلما نشأت بغضت الی الاوثان وبغض الی الشعر[1] یعنی جب میرا نشو و ارتقاء شروع ہوا اسی وقت سے بتوں اور اشعار سے شدید نفرت اور عداوت میرے قلب میں ڈال دی گئی ۔۔۔۔

ایک دفعہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا گیا۔ کہ کیا آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، نہیں۔ پھر پوچھا گیا کیا آپ نے کبھی شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ اور فرمایا کہ میں ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا۔ اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا[2]

سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو جاہلیت کی کسی بات کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ صرف دو مرتبہ مجھے کچھ خیال آیا۔ لیکن حق جل و علا شانہٗ نے دونوں ہی مرتبہ اس سے محفوظ و مصئون فرما لیا ۔۔۔۔ ایک رات میں نے اپنے ساتھی سے جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا، کہا کہ اگر تم میری بکریوں کو سنبھالے رکھو تو میں مکہ میں جا کر کچھ قصے کہانیاں سن کر آتا ہوں، اس ارادہ سے میں شہر میں آیا۔ پہلے ہی گھر میں گانا بجانا ہو رہا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس گھر میں شادی ہے۔ میں ابھی سننے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ فوراً نیند آگئی اور اللہ جل شانہٗ نے میرے کانوں پر مہر لگا دی اور میں کچھ نہ سن سکا۔ اور جب سورج نکلا تب آنکھ کھلی۔ دوسری شب آپ نے پھر یہی ارادہ فرمایا۔ اور آپ پھر جب شہر میں آتے تو آپ پر نیند طاری کر دی گئی اور

---

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۰۵ [2] السیوطی: خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۹

آپ کچھ نہ سن سکے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان دو واقعات کے سوا میں نے کبھی مکروہات جاہلیت کا ارادہ بھی نہیں کیا[1] یاد رہے۔ اس وقت آپکی عمر صرف دس سال کی تھی[2]

ابن ہشام بھی لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جاہلیت کی تمام گندگیوں اور غلاظتوں سے محفوظ اور پاک رکھا"[3]

نبی کی اس ریاضت وعبادت کی خصوصیت کے ساتھ کچھ اور خصوصیات بھی اس میں رکھی جاتی ہیں، تاکہ دوسری نوع انسانی سے جس کی ہدایت و راہنمائی کیلئے اس کو بھیجا جاتا ہے، ممتاز ہو جائے۔

چنانچہ وہ حسن صورت، اعتدال مزاج حسن تربیت، طہارت نسب، نشوونما کی پاکیزگی سنجیدگی اور متانت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ اللہ کے دوستوں کے ساتھ تواضع ونرم خوئی سے پیش آتا ہے۔

ویسے تو دشمنوں کے ساتھ بھی اس کا حسن اخلاق ضرب المثل ہوتا ہے اور اپنے خون کے پیاسوں کو بھی۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ کہہ کر چھوڑ دیتا ہے[4] لیکن دشمنان حق کے ساتھ شدتِ قوت کے ساتھ کبھی بدر وحنین کے معرکے بھی لڑ لیتا ہے۔ راست گفتار اور امانت دار اس قدر ہوتا ہے۔ کہ دشمن بھی اس کی بات کو سچا جانتے ہیں۔ اور مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا۔ کہہ کر اس کے صدق کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اپنی قیمتی سے قیمتی امانتیں اس کے پاس رکھتے ہیں۔ اور آپ کی امانت داری سے متاثر ہو کر بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں: هذا محمد الامين رضينا هذا محمد[5]

یہ تو محمد امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں۔ یہ تو محمد امین ہیں۔

غرضیکہ وہ دنیا کی سب خوبیوں اور فضائل سے آراستہ اور برائیوں اور ذلیل باتوں سے یک قلم مبرا ہوتا ہے۔ باحیا اس قدر کہ کنواری عورتوں کی حیا بھی اس کے سامنے گرد ہوتی ہے[6] فریاد خواہوں کی فریاد رسی اس طرح کرتا ہے۔ کہ دشمن بھی اپنی فریادیں اس کے پاس لے کر آتے ہیں[7] قرابت داروں اور ہمسایوں کے ساتھ احسان اس کی فطرت اور نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت اس کی طینت ہوتی ہے۔

تمام دنیا کی قوتیں اور سب لوگوں کی اکڑی ہوئی گردنیں اس کے سامنے طوعاً وکرہاً سرنگوں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے جابر اور ظالم پابجولاں اس کے پاس لائے جاتے ہیں۔ اور وہ ان کی

۱۔ خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۸۸ ۲۔ شفا قاضی عیاض ص ۶۰ ۳۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۹۲
۴۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ ص ۳۰۱ ۵۔ طبری جلد ۲ ص ۲۰۰ ، سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۹۵ ،
۶۔ بخاری جلد اول ص ۷۔ شفا قاضی عیاض ص ۴۹

تقدیروں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ کے بندے اس کے سامنے نہایت عاجزی کے ساتھ اس طرح دست بستہ بیٹھتے ہیں، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ زمانہ کے بڑے بڑے اہل فضل و کمال اس کے آگے اس طرح دبے سہمے بیٹھتے ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے منہ میں زبان نہیں بلکہ جسم میں جان تک نہ ہونے کا وہم گذرتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ نہ اس میں غرور و نخوت کی بُو آتی ہے۔ اور نہ ہی وہ جفا پیشہ، درشت مزاج اور بد خو ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ہر ہر عضو سے عفو و رحمت کے میٹھے چشمے جاری ہوتے ہیں۔ کلام میں شیرینی، افعال میں متانت اور مزاج میں سلامتی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ساری دنیا کے خزانے اس کے قدموں میں پڑے ہوتے ہیں، لیکن اس کے اپنے چولہے میں مہینوں آگ نہیں جلتی۔ دوسروں کو ہزاروں اور لاکھوں درہم و دینار بخشے جاتے ہیں، لیکن خود اپنی اولاد کو ایک غلام بھی نہیں دیا جاتا۔ طبیعت کی اس فیاضی اور مزاج کے اس اعتدال کی وجہ سے وہ باہمہ ہو کر بھی بے ہمہ ہوتا ہے۔ اور ہر نعمت کے اظہار پر "ولا فخر" کا فقرہ دہراتا ہے۔

نبی اور ریفارمر یا لیڈر

نبی کی ان خصوصیات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نبی ریفارمر اور لیڈر نہیں ہوتا، کیونکہ نبی اور لیڈر یا ریفارمر میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں بعض بدبخت اور شقی القلب لوگوں نے جو اسلام کی تشریح کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کروائے ہوئے ہیں، نبی کو ایک لیڈر اور ریفارمر اور دین کو ایک تحریک سمجھتے ہیں۔ نبی کے لئے لیڈر اور ریفارمر کے الفاظ استعمال کرنا میرے خیال میں نبی کی توہین کرنا ہے۔ اور اس کو اپنے مقام سے گرا کر عمومی سطح پر لانا ہے اور یہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو اسلام کی روح اور معنویت سے ناآشنا ہوں یا اُن کے دل بغض رسول سے بھرے ہوئے ہوں۔

نبی اور ریفارمر میں جو فرق ہے۔ اُس کو ہم ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ایسے شقی القلب لوگوں کی زہر افشانی کے لئے تریاق کا کام دے سکے۔

ایک ریفارمر اور لیڈر کی پرورش اور تربیت عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے۔ اُن ہی کی طرح وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتا ہے۔ اُن ہی کی طرح اس کی زندگی میں اُتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ پھر وہ اپنی سعی و محنت اور متواتر جدوجہد اور اس کے ساتھ اپنی فطری صلاحیت اور دل سوزی کی بناء پر قوم یا ملک میں کوئی سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، معاشرتی، اور تعلیمی انقلاب برپا کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی فراست طبعی، خلوص و دیانت اور ایثار و نیک نیتی کی بناء پر قوم کی نگاہ میں محبوب ہو جاتا ہے۔ اور قوم اس کو اپنا ریفارمر یا لیڈر تسلیم کر لیتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کی

حالت ایسی نہیں ہوتی۔ اوّل تو ان کی تعلیم و تربیت ہی صفت اجتباء و اصطفاء کے تحت ہوتی ہے۔ کیونکہ آگے چل کر ان کو ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھانا ہے۔ جو کہ لیڈر اور ریفارمر کی ذمہ داری سے بہت گراں ہے۔ پھر اُن کے ہر قول و فعل کی قدرت خود نگرانی کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ان کی غذا، قوتِ شنوائی، قوتِ بینائی اور دیگر قویٰ کو صفتِ عصمت کے تحت محفوظ رکھا جاتا ہے۔ پھر وہ لیڈر کی طرح قوم کے کہنے پر نبی نہیں بنتے بلکہ وہ ایک مناسب عمر پہ جو کہ اکثر چالیس برس ہوتی ہے، خود اس بات کا اعلان کرتے ہیں، کہ ہمیں اللہ رب العزت کی طرف سے نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہمیں نبی ماننے پر تمہاری دنیوی اور اخروی زندگی کی بہتری اور اصلاح کا دارومدار ہے۔ ہم اس بات پر مامور ہیں۔ کہ تم سے اپنی نبوت اور رسالت کا اقرار کروائیں اور تم اس بات پہ مامور ہو کہ ہمیں نبی مانو، ہمارے احکام پر عمل کرو، اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ غرض کہ نبی اور رسول نہ تو از خود نبی اور رسول بنتے ہیں۔ اور نہ قوم اُن کو نبی اور رسول بناتی ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ براہِ راست اُن کو نبی اور رسول بناتا ہے۔

لیڈر اور ریفارمر اپنی تحریکوں اور پارٹیوں کو وقتی مصلحتوں اور سیاسی حکمت عملیوں کے تحت چلاتے ہیں۔ وہ اپنی ذہانت اور صوابدید سے تحریک کے مختلف گوشوں میں ہوا کا رُخ دیکھ کر ردّ و بدل کرتے رہتے ہیں۔ نہ اُن پر معیّن حدود و قیود کی پابندی ہوتی ہے۔ اور نہ ہی پیروی کے لئے اُن کے سامنے کوئی اسوہ ہوتا ہے۔ وہ خود ہی کوزہ اور خود ہی کوزہ گر ہوتے ہیں۔ اگر عوام کو بھڑکانے کیلئے ضرورت محسوس کریں گے تو اپنی الیکشنی سرگرمیوں کو بھی بدر و حنین کے غزوے سے تعبیر کریں گے اور اس جہاد سے الگ رہنے والوں کو مرتد و مردود ٹھہرائیں گے۔ اور اگر ہوا کا رُخ مخالف دیکھیں گے تو یہ بدر و حنین کے مجاہدین اسطرح بلوں میں جا گھسیں گے جسطرح بلّی کو دیکھ کر چوہے بلوں میں جا گھستے ہیں۔ اگر موسم سازگار پائیں گے تو گلے پھاڑ پھاڑ کر اعلان کریں گے ـــــ کہ "وقت آگیا ہے" کہ کرسیوں والے اپنے اقتدار کی کرسیاں ان کے لئے خالی کر دیں لیکن اگر قدرتی قسمت سے اثنائے تقریر ہی میں موسم بدلتا نظر آئے تو زورِ تقریر کے جھاگ خشک ہونے سے پہلے ہی اپنے مجاہدین کو ہدایات دیں گے کہ اپنی وردیاں پھینک دو۔ اپنی تلواریں توڑ دو، اپنے بیڈج اتار دو، اپنے اعلانوں کو گھس گھس کر مٹا دو، اپنے نعروں اور ناموں پر سیاہیاں پھیر دو اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر لو۔

لیکن اس کے برعکس انبیاء کے لئے خود حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود و قیود ہوتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں۔ اُن کی جد و جہد کو یہ رفتار کبھی نہیں پیش آتی کہ وہ اٹھیں ۔

تو آندھی کی طرح اور بیٹھ جائیں بلبلے کی طرح۔ وہ طوفانوں کے زور کے ساتھ بھی چلیں گے تو اس میں بھی نسیم صبح کی خوش ادائی اور باد بہاری کی عطر بیزی اور مشک افشانی ہو گی۔ بجلیاں آئیں گی۔ لیکن وہ بھی ان کو اپنے راستہ سے نہیں روک سکیں گی۔ وہ زمانے کی ہوا کا رُخ دیکھ کر نہیں چلیں گے۔ بلکہ زمانے کو اپنے مطابق چلانے کی کوشش کریں گے اور اس کوشش میں وہ اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔

لیڈروں کا مقصد کامیابی ہوتا ہے۔ جسکو حاصل کرنے کیلئے اگر بُرے سے بُرا طریقہ بھی اُن کو اختیار کرنا پڑے تو وہ اس سے نہیں چوکتے۔ لیکن اس کے برعکس انبیاء کا مقصد کامیابی نہیں ہوتا خواہ ساری زندگی کے وعظ نصیحت کے بعد ایک متنفس بھی ان پر ایمان نہ لائے۔ لیکن لوگوں کو ایمان کے راستہ پر لانے کے لئے وہ کبھی بھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہو یا جسے حق تعالیٰ ناپسند فرماتے ہوں۔ نہ ہی اُنہوں نے کبھی اس بات کی پرواہ کی ہے۔ کہ دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے۔ یا نہیں۔ اور لوگ اسکو رد کریں گے یا قبول کریں گے۔ اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم و اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کر لیں گے۔ تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی ردّ و بدل کے مجاز نہیں ہیں جس کا جی چاہے اسکو قبول کرے جس کا جی نہ چاہے وہ ردّ کر دے۔ بلکہ وہ اس دین کو جو ان پر اتارا گیا ہوتا ہے۔ بغیر کسی کمی بیشی، بغیر کسی دخل و تصرف اور بغیر کسی ردّ و بدل کے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ خلق خدا کو پہنچا دیتے ہیں۔ اور اسطرح پہنچاتے ہیں کہ نہ اُس کے مزاج میں کوئی تغیر پیدا ہونے دیتے ہیں اور نہ اس کے مواد اور ترتیب میں کوئی تبدیلی ہونے دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے دین کے امین ہوتے ہیں نہ کہ موجد اور مصنّف۔ اس وجہ سے ہر طرح کے حالات میں وہ اپنی ذمہ داری صرف یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ رب العزت کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔

پھر وہ لیڈروں اور ریفارمروں کی طرح صرف گفتار ہی کے غازی نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اپنے اصولوں، اپنے دعاوی اور اپنے نظریات کے عملی مظہر ہوتے ہیں۔ اُن کے دل و زبان، قول و عمل اور خلوت و جلوت میں مطابقت ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں ذرّہ برابر فرق نہیں ہوتا۔ وہ جس شئے سے دوسروں کو روکتے ہیں۔ اس سے پوری شدّت کے ساتھ خود بھی پرہیز کرتے ہیں۔ بلکہ اسکی پرچھائیں بھی اپنے پر نہیں پڑنے دیتے جس چیز کا دوسروں کو حکم دیتے ہیں، اس پر خود پوری قوت اور عزیمت کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ بلکہ جس

سے کی وہ دعوت دیتے ہیں ۔ اگر دوسروں سے اس پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود اس پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں ۔

لیڈر اور ریفارمر صرف اپنے اعتماد پر چلتے اور چلاتے ہیں، اس وجہ سے اگرچہ وہ اپنی ذہانت کی دوربین سے بیس سال کی مسافت تک مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھ لیتے ہوں، لیکن حق تعالیٰ کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے جب وہ ٹھوکر کھاتے ہیں تو بسا اوقات اپنی ناک کے نیچے کے پتھر سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں ۔ اور جب گرتے ہیں تو ان کو سنبھلنا بھی نصیب نہیں ہوتا ۔ لیکن انبیاء کاملہ اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے ۔ اوّل تو وہ اپنی ذہانت و فراست کی دوربین سے مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھنے پر کچھ اعتماد نہیں کرتے بلکہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں، لیکن اگر کبھی اپنی کسی اجتہادی لغزش کے باعث گرتے بھی ہیں ۔ تو اپنے رب کے دروازے ہی پر گرتے ہیں، اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۔ کی دعائیں مانگتے ہیں ۔ اور ان کا رب ان کو اٹھاتا اور سنبھالتا ہے[1] ۔

نبی اور وکیل

اوپر کی بحث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ نبی نہ تو ایک لیڈر ہوتا ہے، اور نہ ہی ریفارمر، وہاں اس بات کا پتہ بھی چلتا ہے ۔ کہ وہ وکیل بھی نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ایک وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے اختیار کلی رکھتا ہے جو چاہے خود بھی کر سکتا ہے ۔ اسی لئے جواب دہی کا بھی اُس کو حق حاصل ہوتا ہے ۔ لیکن اس کے مقابلہ میں نبی صرف اس امانت کے بے کم و کاست پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے ۔ جو اس کے سپرد کی گئی ہے ۔ اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے مزاج، اس کے مواد اور اس کی ترتیب و تدریج میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکے ۔ وکیل تو سب کا اللہ رب العزت ہی ہے ۔ اب وکیل کا وکیل کون ہو سکتا ہے ۔ اور کس انسان میں یہ طاقت و قوت ہے ۔ کہ وہ اس ذمہ داری کا بار اٹھا سکے جو اللہ رب العزت نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہے ۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے خود ارشاد فرماتے ہیں :

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيْلٌ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے ۔ اور وہی سب کا وکیل ہے ۔

—— باقی آئندہ ——

---

[1] امین احسن اصلاحی : میثاق بابت اکتوبر ۱۹۶۰ء